Fikr-o-Nasar (Islamabad) 25:3 (1988)

بزم صوفیه

محمد میاں صدیقی

برصغیر پاک و ہند میں اسلام کے حوصلہ مند دستے پہلی صدی ہجری کے اختتام سے قبل آنا شروع ہوگئے تھے ۔ ۹۳ ہجری میں محمد بن قاسم ثقفی (م : ۹۶ ھ) نے سندھ بلکہ ملتان تک کا علاقہ فتح کر لیا تھا اور باقاعدہ اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آگیا تھا۔

برصغیر میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ہی تبلیغ دین کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا ۔ محمد بن قاسم نے کشور کشائی کی بہ نسبت تبلیغ دین کو زیادہ اہمیت دی، اور دیبل فتح کرنے کے بعد وہاں چار ہزار مسلمان آباد کئے اور ایک جامع مسجد تعمیر کرائی ۔ (۱)

اموی خاندان نے سندھ پر خصوصی توجہ دی، خصوصاً حضرت عمر بن عبدالعزیز (م : ۱۰۱ھ) کو تبلیغ دین کا بہت زیادہ خیال تھا۔ انھوں نے سندھ کے چیدہ چیدہ امراء اور سربر آوردہ لوگوں کو خطوط کے ذریعے اسلام کی دعوت دی، انھی کی دعوت کے نتیجے میں راجہ داہر کا بیٹا جے سنگھ مشرف باسلام ہوا ۔ اس کے علاوہ بہت سے بااثر اور مقتدر لوگوں نے اسلام قبول کیا ۔ (۲)

اموی دور میں سندھ میں جو مسجدیں تعمیر کی گئیں وہاں جید علماء کو بطور امام اور خطیب مقرر کیا گیا، ان علماء کی شبانہ روز مساعی سے اسلام کی روشنی دور دور تک پھیلی ۔ برصغیر میں مسلمان جہاں بھی گئے انھوں نے تبلیغ دین کو اپنا اولین فریضہ

سمجھا، مسلمان تاجروں کی محنت سے گجرات، مارواڑ، مدراس اور جنوبی ھند کے دوسرے ساحلی علاقوں میں اسلام کا اثر و نفوذ بڑھا۔

دوسری صدی ھجری ھی میں برصغیر میں جگہ جگہ داعیان اسلام کے مرکز اور خانقاھیں قائم ھونا شروع ھوگئیں جو بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہ نمائی کی طرح جگمگانے لگیں۔ بجا کہ اسلام کی ترویج و اشاعت میں مسلمان فاتحین، تجار اور علماء سب نے حصہ لیا لیکن تاریخ ھند کا مطالعہ کرنے والے یہ کہنے پر مجبور ھوئے کہ جس طرح ھندوستان کی علاقائی فتح کا سہرا سلطان محمود غزنوی (م:۴۲۱ھ) کے سر ہے اسی طرح اس کی روحانی تسخیر اور اخلاقی و ایمانی فتح کا سہرا مشائخ اور صوفیۂ کرام کے سر ہے۔ برصغیر میں تبلیغ دین کے سلسلے میں جو کامیابی و کامرانی بزرگان دین کو نصیب ھوئی وہ کسی اور کا حصہ نہ بن سکی۔

قرآن کریم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی کو، آپ کے اخلاق فاضلہ کونسل انسانی کے لئے نمونہ کامل بنایا ہے۔ اس کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے : بعثت لاتمم مکارم الاخلاق(۳) ,, میری بعثت کی غایت ھی یہ ہے کہ میں بہترین اخلاق کی تکمیل کروں،، یہی وجہ ہے کہ صوفیۂ کرام نے سلوک کو تمام تر مکارم اخلاق پر موقوف کیا ہے۔ بلکہ بعض مشائخ نے تو تصوف سے اخلاق حسنہ ھی مراد لئے ھیں۔

صوفیہ کے نزدیک تصوف کا مقصد صرف یہ ہے کہ پہلے انسان خود اپنے اندر اخلاق حسنہ پیدا کرے، پھر دوسرے افراد میں اس کی تخم ریزی کرے۔ چنانچہ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ھیں :

,,بہت نمازیں پڑھنا، وظائف میں بکثرت مشغول رہنا، تلاوت قرآن میں مصروف رہنا۔ یہ سب کام چنداں مشکل نہیں ھیں، ہر

باھمت شخص کر سکتا ہے بلکه ایک ضعیف بڑھیا کے لئے بھی ممکن ہے وہ روزوں پر مداومت کر سکتی ہے تہجد ادا کر سکتی ہے ، قرآن کے چند پارے ہر روز پڑھ سکتی ہے لیکن مردان خدا کے کام کاج میں لگے رہنا کچھ اور ھی معنی رکھتا ہے" (۴) ۔

ایمان کے بعد اسلام کی عمارت چار ستونوں پر قائم کی گئی ہے یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ۔ ان چاروں کا بنیادی مقصد بھی قرآن جگه جگه یہی بتاتا ہے که انسان ایک پاکیزہ انسان کے قالب میں ڈھل جائے ۔ اور محاسن اخلاق کی بے داغ تصویر ہو ۔ اس حقیقت کو قرآن ,,لعلکم تتقون،، سے تعبیر کرتا ہے۔ حضور علیه السلام نے بہترین اخلاق کو قدرت کا سب سے اعلیٰ اور گراں قدر عطیه فرمایا ہے (۵) ۔

صوفیه اور اولیاء بھی نبی علیه السلام کے اخلاق حسنه کا عکس اور پر تو ہوتے ھیں اس لئے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے که صوفیه نے زندگی میں عمل کا جو نمونه پیش کیا ہے لوگ اسے اپنائیں ۔ اور حقیقت میں ھوا بھی ایسا ھی ہے ۔ صوفیۂ کرام نے کتابیں نہیں لکھیں، مناظرے نہیں کئے، بحث و تمحیص میں نہیں پڑے ۔ صرف لوگوں کے سامنے نمونۂ عمل پیش کیا ۔ لوگ ان کی خانقاھوں اور مسجدوں میں آتے ۔ وہ کسی سے اس کا عقیدہ اور مسلک نہیں پوچھتے تھے ۔ برصغیر کے صوفیه کی تاریخ تو ھمیں یہاں تک بتاتی ہے که وہ یه بھی شرط نہیں لگاتے تھے که مسلمان بھی ہو یا نہیں ۔ بعض غیر مسلم آتے وہ انھیں بھی اپنے حلقه بیعت میں شامل کر لیتے۔ ان کے پیش نظر یه بات ہوتی تھی که یه شخص جب کچھ روز ھمارے ساتھ گزارے گا، ھمیں اور ھمارے حلقے کے لوگوں کے معاملات اور معمولات دیکھے گا تو اس میں خود اسلام کی طرف کشش ہوگی۔ نه اسے کتابیں پڑھوانے کی ضرورت پیش آئے گی اور نه کچھ کہنے سننے کی ۔

اس موقعه پر یه عرض کرنے کی اجازت چاهوں گا که علماء نے قرآن اور حدیث کی تفسیر و توضیح میں اپنی عمریں صرف کیں، امت کے لئے گراں قدر سرمایه فراهم کیا، اور اس طرح عقل اور دماغ کی آبیاری کی ۔ لیکن یه کهے بغیر چاره نهیں که صوفیه نے دماغ کے ساتھ دل کی تربیت اور اصلاح کا فرض بهی حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیا،

علماء نے کتابیں لکهیں، اور صوفیه نے وه افراد تیار کئے جنهوں نے ان کتابوں پر عمل کر کے ایک انقلاب برپا کر دیا ۔

جب ذات و صفاتِ باری تعالیٰ کے متعلق بحث و مناظره کی گرم بازاری هوئی، اس وقت بهی صوفیه نے یهی کها اور یهی درس دیا که:

الله کے بارے میں بحث و مناظره فضول ہے۔ الله کو منطق کے زور سے حاصل نهیں کیا جا سکتا ۔ آئینه قلب کو صاف کر لو اس کے جلوے خود نظر آنے لگیں گے ۔

حقیقت ایک اور صرف ایک ہے۔ اور وه یه که دنیا میں سب سے موثر آلۂ کشش نمونه عمل ہے۔ کتابوں کے اوراق اور ان کے بے جان حروف کو متحرک اور سرگرم عمل حقیقتوں پر غالب آتے بهت کم دیکها گیا ہے۔ یهی وجه تهی که بالخصوص برصغیر پاک و هند میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا سب سے بڑا ذریعه صوفیۂ کرام هی بنے ۔

یهی وه محرک تها جس نے برصغیر کے معروف صاحب قلم اور تاریخ داں جناب صباح الدین عبدالرحمن کو برصغیر کے صوفیه کا تذکره لکهنے پر آماده کیا ۔ بقول مولانا عبدالماجد دریابادی :

,,ذاتی سرگزشتوں کی داستان کسی کی بهی هو، دلچسپ هوتی ہے۔ چه جائے که ان بزرگوں کی سرگزشت جو انسانیت کے پتلے، تسلیم و رضا کے بندے، اور محبت و محبوبیت کے مجسمے تهے ۔

دل آویزی ان کے تذکروں میں بھی نہ ھوگی تو اور کہاں ملے گی۔
ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات سیجعل لھم الرحمن ودا ۔
اور پھر جبکہ داستان گو خود داستان سرائی سے واقف ، اور
اس فن میں منجھا ھوا ھو،، (٦) ۔

سید صباح الدین عبدالرحمن نے ,,بزم صوفیہ،، لکھنے کی جو غرض و غایت بیان کی اس کی ابتداء (تمہید میں) ان الفاظ سے کرتے ھیں :

,,صحابہ کرام ، تابعین اور تبع تابعین کی طرح صلحاء اور اخیار امت کی زندگی بھی مسلمانوں کے لئے نمونہ ہے اس لئے دارالمصنفین کے سلسلہ سیر الصحابہ اور تابعین کے بعد سیرت صوفیہ کی بھی ضرورت تھی، یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ راقم سطور تاریخ ھند کا ادنی طالب علم ہے اس لئے اس کتاب کی ترتیب میں یہ بھی مطالعہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ خانقاہ کے بوریہ نشینوں نے اپنے عہد کے مسلمانوں کے مذھب، اخلاق، معاشرت اور سیاست کو کس طرح سنوارا ۔ تاریخ ھند کے مطالعہ میں عموماً مسلمان حکمرانوں کے افعال و کردار سے اس زمانہ کے مسلمانوں کے اخلاق اور سیرت و کردار کا اندازہ لگایا جاتا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ ھندوستان میں صلحاء اور مشائخ ھی نے اسلام کی معنوی شوکت و عظمت قائم کی ۔ اس لئے ان کے حالات و تعلیمات کو ھندوستان کے اسلامی عہد کی تاریخ سمجھنا چاھیے،، (٧) ۔

بزم صوفیہ کا زمانۂ تالیف چودھویں صدی ھجری کا نصف آخر ہے، اور ظاھر ہے کہ برصغیر کے صوفیہ اور مشائخ کے حوالہ سے اس سے قبل فارسی اور اردو میں بہت کچھ لکھا جا چکا تھا ۔ یہ کہنا تو ممکن نہیں کہ بزم صوفیہ اس موضوع پر لکھی جانے والی ابتدائی

کتابوں میں شامل ہے۔ پھر یہ سوال ابھرتا ہے کہ صوفیہ ، تصوف اور سلاسل تصوف پر جب کافی کچھہ لکھا جاچکا تھا اور بعض بہت مستند اهل علم و فضل اس موضوع پر ضخیم کتابیں تالیف کر چکے تھے پھر صباح الدین عبدالرحمن نے اس موضوع پر قلم اٹھانے کی ضرورت کیوں محسوس کی ۔ ؟

اس کا جواب مولف بزم صوفیه ان الفاظ میں دیتے ھیں :

,,اب تک صوفیۂ کرام کے جتنے تذکرے لکھے گئے ھیں ان میں زیادہ تر ان کی کرامات و خوارق عادات کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اس کا نتیجه یه ھوا که ان بزرگان دین کی اصلی تصویر نظروں سے بالکل اوجھل رھی ۔ ممکن ہے که اس حقیر تالیف میں ناظرین کو ھندوستان کے مشائخ کی کچھہ ایسی تصویریں ملیں جو اور تذکروں میں شاید نه مل سکیں ،، (٨) ۔

فاضل مولف نے اپنے سلف کے طرز تالیف سے کیوں گریز کیا ۔ اور صوفیه کے ان کشف و کرامات کا ذکر اپنی کتاب میں کیوں نہیں کیا جن کا شیخ عبدالحق دهلوی جیسے محدث کبیر تک نے اپنی تالیف اخبار الاخیار میں کیا ہے۔ ؟

کشف، الہام اور کرامات صوفیه کی زندگی کا ایک لازمی حصه ھیں، اهلِ سنت والجماعت کا عقیده ہے که اللہ کے نیک بندوں کو کشف و الہام بھی ھوتا ہے اور ان کی ذات سے بعض ایسے امور بھی وقوع پذیر ھوتے ھیں جو عام طور پر عادتاً نہیں ھوتے اور جنھیں علم کلام کی اصطلاح میں ,,خارق عادات،، کہا جاتا ہے۔

مسلم علماء اور خاص طور پر متکلمین نے کشف، الہام اور وحی کی حقیقت اور ان کے باھمی فرق پر طویل بحثیں کی ھیں ۔ نبی کی ذات سے جو بات معمول اور عادت کے خلاف (خرق عادت) صادر ھو اسے معجزہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور نبی کے علاوہ ایک عام انسان کی

ذات سے کوئی چیز خلاف عادت صادر ہو تو وہ کرامت کہلاتی ہے (۹) ۔

اس حقیقت کے باوجود مولف بزم صوفیہ نے صوفیہ کے تذکرے میں ان کی ذات اور نفوس قدسیہ سے وابستہ کشف و کرامات کے ذکر سے کیوں گریز کیا ۔ ؟

اس کی بنیادی وجہ کیا ہے۔ اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں :

,,اس کتاب میں صوفیۂ کرام کے کرامات و خوارق عادات کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا ہے کہ راقم ان کا قائل نہیں ہے۔ بلکہ اس لئے کہ جس طرح بعض لوگوں کے نزدیک ایک معجزہ نبوت کی دلیل نہیں اسی طرح کرامت بھی ولایت کا ثبوت نہیں ۔ خود اولیاء اللہ اپنی کرامتوں کو اپنا شرف اور کمال نہیں سمجھتے ۔ اس لئے ان کو اوصاف میں شمار کرنا ضروری نہیں سمجھا گیا،، (۱۰) ۔

مولف کی اپنی مذکورہ بالا بیان کردہ وجہ کے علاوہ یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ کشف اور کرامت کا عام انسان کی عملی زندگی سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے کسی خاص انسان کی زندگی کو عام لوگوں کے سامنے پیش کرنے کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے ، اور یہی ہونا چاہیے کہ لوگ اس کے بہترین اور پاکیزہ اخلاق سے متاثر ہوں اور انھیں اپنی عملی زندگی میں اپنانے کی کوشش کریں ۔

خود بزرگان دین نے کبھی اس بات کو پسند نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کشف و کرامت کی جس نعمت سے نوازا ہے وہ خود یا دوسرے لوگ اس کی تشہیر کریں ۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ (م : ٦٦۴ھ) فرمایا کرتے تھے :

,,اس کا اظہار کرنا پست حوصلہ والوں کا کام ہے مشائخ نے اس کے اظہار کو ناپسند کیا ہے۔ کیوں کہ اس سے نفس میں تکبر پیدا ہوتا ہے ،، (۱۱)۔

صاحب بزم صوفیه نے بھی حضرت بابا فرید کا یه قول درج کیا ہے۔

بزم صوفیه نام رکھنے کی وجه :

اگرچه صوفیه کے بارے میں لکھی جانے والی کتابوں کے ناموں میں بھی تنوع ہے۔ اور ایک خوبی یه ہے جو ناچیز راقم نے محسوس کی که کتاب کا نام اور عنوان معنون کا غماز ہوتا ہے۔ حتیٰ که جو کتابیں ان کی تعلیمات اور ملفوظات پر مشتمل ہیں ان کے ناموں کا اندازہ مختلف ہے۔ جن کا تعلق صرف سیرۃ و سوانح سے ہے ان کے ناموں کا انداز اور ہے۔ زیر تبصرہ کتاب کا نام (جو که مشاہیر صوفیه کے احوال و آثار پر مشتمل ہے) روایتی اسلوب اور انداز سے ہٹ کر کیوں رکھا گیا۔ ؟ اس کی وجه اور وضاحت خود فاضل مصنف کی زبانی سنئے۔ کہتے ہیں که :

,,کتاب کا نام،، بزم صوفیه،، بھی شاید بعض ناظرین (وقارئین) کو اس لئے پسند نه آئے که صوفیه کے لئے بزم کا لفظ بے جوڑ سا ہے لیکن یه نام راقم کو اتنا پسند آیا که کسی اور نام کی طرف طبیعت مائل ہی نه ہوئی ،،(۱۲) ۔

ہر مسلمان کے دل میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیه وسلم کی محبت و عقیدت جلوہ گر ہوتی ہے۔ خصوصاً ان لوگوں کے دل سب سے زیادہ منور اور تابناک ہوتے ہیں جن کی زبان اور قلم پر ہر وقت حضور اقدس اور ان کے شیدائیوں کا تذکرہ رہتا ہے۔

کچھ ایسا ہی حال ہم بزم صوفیه کے مصنف صباح الدین عبدالرحمن کا بھی دیکھتے ہیں ۔ وہ ایسے پاک طینت لوگوں کے حالات لکھنے کے لئے قلم اٹھا رہے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کی، اور اس کے رسول کی محبت کے سوا اور کسی چیز کی گنجائش نہیں ہوتی وہی عکس اور پرتو صباح الدین کے قلم اور لوح قلب پر منعکس ہوتا ہے۔ کہتے ہیں که :

,,مشائخ کے حالات کے سلسلہ میں تعظیم و تکریم کے لئے ,,آپ،، کا لفظ گویا بالکل ھی استعمال نہیں کیا ۔ اس کی اگر کوئی خاص وجہ ھو سکتی ہے تو صرف یہ کہ کسی موقع پر حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی (م : ۱۹۵۳ء) نے میری ایک تحریر دیکھتے ہوئے فرمایا تھا کہ: میں تو لکھتے وقت ,,آپ،، کا لفظ صرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ھی کے لئے استعمال کرنا پسند کرتا ھوں،، ۔ یہ بات میرے دل میں اس قدر لگی کہ ان بزرگوں کے لئے ,,آپ،، کا لفظ استعمال کرنا مناسب معلوم نہ ھوا، اور زیادہ ان کے اسمائے گرامی ھی لکھے گئے۔ یا ,, وہ ،، اور انھوں،، سے اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ طریقہ جن ناظرین کے ذوق پر گراں گزرے، ان سے معذرت خواہ ھوں ،، (۱۳) ۔

میرا خیال ہے کہ جو شخص محبت اور عقیدت و احترام کی باریکیوں اور ان کے آداب سے واقف ہے اسے یہ اسلوب ، اور پیرایۂ اظہار ناگوار تو کیا گزرے گا وہ مصنف کے اس جذبہ دل کی داد دیئے بغیر نہیں رھے گا کہ اس نے حضور میں، اور حضور کے شیدائیوں میں کیسا خوب صورت اور باریک خط امتیاز کھینچا ہے۔ ★

صوفیۂ کے سوانح، اور احوال و آثار پر مبنی ایک کتاب کا تعارف پیش نظر ہے تو یہ وضاحت بے محل نہ ھوگی کہ اولیائے کرام کے

★★ اسی طرح کی ایک اصطلاح ,,روضۂ اقدس،، اور ,,آں حضرت،، بھی ہے ۔ میں نے بعض حضرات کو دیکھا ہے کہ وہ فرط عقیدت سے یہ اصطلاحات اپنے اساتذہ، شیوخ، اور پیروں کے لئے بھی استعمال کر لیتے ھیں ۔ لیکن ناچیز راقم کسی بزرگ ترھستی کے لئے بھی آں حضرت کا لفظ (بجز حضور انور کے) اور اسی طرح کسی کے مزار کے لئے روضۂ اقدس کی تعبیر مناسب نہیں سمجھتا ۔

ایک اور لفظ ہے ,,والدۂ ماجدہ،، ۔ اس کے بارے میں بھی میں نے کثرت سے دیکھا کہ مولفین و مصنفین اپنے اساتذہ، شیوخ اور پیروں کی والدہ کے لئے والـــدہ ماجدہ کی تعبیر اختیار کرتے ھیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ کے علاوہ کسی بڑی سے بڑی شخصیت کی والدہ کے لئے بھی کبھی یہ لفظ استعمال نہیں کیا، نہ جانے کیوں طبیعت پر گراں گزرتا ہے۔ دوسرے بہت سے حضرات کے لئے دل میں تمام تر احترام، اور جذبہ محبت کے باوجود دل نہیں مانتا کہ اولاً جو لفظ، اور جو اصطلاح حضور انور کے لئے، ان کے والدین کے لئے، اور ان کی ازواج و اولاد کے لئے استعمال کی گئی وہ ان کے علاوہ کسی اور کے لئے استعمال کی جائے۔

حالات میں عام طور پر جو کتابیں لکھی گئی ھیں ان میں اس حزم و احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھا گیا جو ھمیں فقہاء اور محدثین کی کتابوں میں نظر آتا ہے۔ اس کی جہاں اور بہت سی وجوہ ھیں وھاں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرات صوفیہ مختلف احوال و مقامات سے گزرتے رھتے ھیں، ان کے سـیر و سـلوک کی بہت سی منزلیں عوام، اور اھل ظاھر کے لئے ناقابل فہم ھوتی ھیں ۔ اور اس پر طرہ ۔ ان کی خاص اصطلاحات، اور رمزوکنایے ۔ لفظ بولا کچھ گیا اور مراد اس سے کچھ لے لیا ۔ اور پھر حالات اور ملفوظات قلم بند کرنے والوں کا محبت و عقیدت میں غلو۔ بات کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے۔

صوفیہ کے حالات پر مشتمل ایک معروف کتاب ,,سیر العارفین،، نے اس بات کی نشان دھی کی ہے :

,, ایک شخص نے حضرت نصیر الدین اَوَدھی سے عـرض کیا کہ میں نے خواجہ قطب الحق والدین قدس سرہ کے ملفوظات میں ایسا کچھ لکھا ھوا دیکھا ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ؛ بالکل غلط ہے۔ میں نے بہ چشم خود دیکھا ہے کہ ۔ماشاء اللہ، یہ کلام ان کا نہیں ہے۔ اکثر غلط غلط کلمات الحاقی ھیں جو ان کے مجاوروں اور سجادہ نشینوں نے بڑھا دیئے ھیں وہ کسی طرح قطب صاحب قدس سرہ، کے حال، اور اعمال کے مناسب نہیں ھیں ،،(۱۳)۔

بہرکیف اس تمام تر کے باوجود فاضل مصنف کو ملفوظـات و مکتوبات کے انبار عظیم میں اخذ و نقل کے قابل جو کچھ نظر آیا اسے حسن ترتیب، اور سلیقہ مندی کے ساتھ جمع کر دیا ۔ اور مولانا عبدالماجد دریا بادی کے بقول: احتیاط اپنے نزدیک اس کی کرلی کہ جو امور خلاف شریعت، یا بہت زیادہ مبالغہ آمیز نظر آئیں انھیں نظر انداز کر دیا جائے،، ۔ لیکن مولانا ھی کا کہنا ہے کہ اتنی احتیاط بھی

ناکافی رہی، کتاب میں کئی مقامات ایسے آتے ہیں جہاں پہنچ کر ایک سیدھا سادا پابند شریعت چونک جاتا ہے لیکن اس میں قصور مصنف کا نہیں، ماخذوں کا ہے۔

تذکرے کے لئے برصغیر سے تعلق رکھنے والی صرف انیس شخصیتوں کو منتخب کیا گیا ہے۔ میرے نزدیک اس کا کوئی موزوں جواب نہیں دیا جا سکتا، جتنی بھی شخصیات کا انتخاب کرتے یہی کہا جاتا کہ سینکڑوں شخصیات میں سے ان حضرات کا انتخاب کیوں کیا گیا۔ انتخاب تو کرنا ہی تھا، انیس کا کر لیا۔ جو شخصیات منتخب کیں وہ اپنے رتبے، اور خدمت اسلام کے لئے بلاشبہ بہت بلند مقام رکھتی ہیں۔

ان حضرات کی ترتیب کچھ اس طرح ہے :

۱ : پیر سید علی ہجویری۔ معروف داتا گنج بخش۔ (م : ۴۶۵ھ)
۲ : خواجہ معین الدین چشتی۔ (م : ۶۳۲ھ)
۳ : خواجہ قطب الدین بختیار کاکی۔ (م : ۶۳۴ ھ)
۴ : قاضی حمید الدین ناگوری۔ (م : ۶۴۱ھ)
۵ : شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی۔ (م : ۶۶۱ھ)
۶ : شیخ صدر الدین عارف۔ (م : ۶۸۴ھ)
۷ : خواجہ فرید الدین گنج شکر۔ (م : ۶۶۴ھ)
۸ : شیخ فخر الدین عراقی۔ (م : ۶۸۸ھ)
۹ : شیخ امیر حسینی۔ (م : ۷۱۹ ھ)
۱۰ : خواجہ نظام الدین اولیاء۔ (م : ۷۲۵ھ)
۱۱ : شیخ بو علی قلندر پانی پتی۔ (م : ۷۲۴ھ)
۱۲ : شیخ ابو الفتح رکن الدین۔ (م : ۷۳۵ھ)
۱۳ : شیخ برہان الدین غریب۔ (م : ۷۳۸ ھ)

۱۴ : مولانا ضیاء الدین نخشبی ۔ (م : ۷۵۱ ھ)
۱۵ : خواجه نصیر الدین محمود چراغ دهلی ۔ (م : ۷۵۷ھ)
۱٦ : شرف الدین احمد منیری ۔ (م : ۷۸۲ھ)
۱۷ : سید جلال الدین بخاری ۔ (م : ۷۸۵ھ)
۱۸ : سید اشرف جهاں گیرسمنانی ۔ (م : ۸۰۸ھ)
۱۹ : سید محمد گیسو دراز ۔ (م : ۸۲۵ھ)

ان انیس بزرگوں کا ذکر جمیل پانچ سو بیس صفحات پر مشتمل ہے ۔

صوفیۂ کرام کے بارے میں جو کتابیں لکھی گئیں، ان کے مطالعه سے عام طور پر یه تاثر هوتا ہے که وہ شریعت کے عالم نہیں هوتے تھے یا علمائے ظاهر کی طرح شریعت کا اتباع نہیں کرتے تھے ۔ ,,بزم صوفیه،، کی خوبی یه ہے که اس کے مطالعه سے نه صرف یه که اس قسم کا کوئی تاثر پڑھنے والے کے ذهن میں پیدا نہیں هوتا بلکه کافی حد تک اس کی نفی هوتی ہے ۔ جن حضرات صوفیه نے کتابیں لکھیں ان کا بطور خاص ذکر کیا جیسے پیر سید علی هجویری رحمة الله علیه کی کشف المحجوب، اس کا نه صرف ذکر کیا ہے بلکه بھر پور تعارف کرایا ہے اور یه ثابت کیا ہے که کشف المحجوب، تصوف کی اولین اور بنیادی کتابوں میں سے ہے ۔ کشف المحجوب اس بات کا ثبوت ہے که پیر سید علی هجویری رحمة الله علیه پیر طریقت بھی تھے اور شرعی علوم کے زبردست عالم بھی ۔

اکثر صوفیه نے اس انداز سے تصنیف و تالیف نہیں کی جیسا که علمائے ظاهر نے کی لیکن اس کے باوجود یه نہیں کہا جا سکتا که وہ اس میدان میں خالی هاتھ هیں ۔ بعض بہت گراں قدر تالیفات هیں جو ان کے قلم سے نکلیں ۔ پھر ان کے ملفوظات بذات خود حکم و حکمت کا بیش قیمت خزانه هیں ۔ ان کے تلامذہ نے بڑی توجه اور ذمه

داری کے ساتھ ان کے ملفوظات قلم بند کئیے اور وہ بعد میں اہل علم تک پہنچے، ان میں شرعی علوم سے متعلق ایسے اسرار و حِکَمْ ہیں جو بڑی بڑی تصانیف میں بھی نہیں ملتے ۔

صاحب بزم صوفیہ نے دیگر تذکرہ نویسوں کی طرح ان کتابوں کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ پوری تفصیل کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔ اور ان حضرات کی کتابوں سے ایسے اقتباسات نقل کئے ہیں جو اس بات کی نفی کرتے ہیں کہ یہ حضرات شرعی علوم کے ماہر نہیں تھے، یا علمائے ظاہر کی طرح شریعت کے پیروکار نہ تھے ۔

خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات سے جو دلیل العارفین کے نام سے شائع ہوئے ہیں، صاحب بزم صوفیہ نے یہ ملفوظ نقل کیا ہے :

,, تصوف نہ علم ہے نہ رسم، بلکہ مشائخ رحمہم اللہ کا ایک خاص اخلاق ہے۔ صوری حیثیت سے اس اخلاق کی تکمیل یہ ہے کہ سالک اپنے ہر کردار میں شریعت کا پابند ہو۔ جب اس سے کوئی بات خلاف شریعت سرزد نہ ہوگی تو وہ دوسرے مقام پر پہنچے گا جس کا نام طریقت ہے اور جب اس میں ثابت قدم رہے گا تو معرفت کا درجہ حاصل کرے گا، اور جب اس پر بھی پختہ ہو جائے گا تو حقیقت کا مرتبہ پائے گا،، (۱۵) ۔

خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں، اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حضرات شریعت کے کس درجہ پابند تھے اور لوگوں کو کن طریقوں سے اس کی پیروی اور پابندی کا درس دیتے تھے ۔ لکھتے ہیں :

,,ایک بار خواجہ نظام الدین اولیاء خلافت سے پہلے ایک مسجد میں بیٹھے کسی شرعی مسئلہ پر غور و فکر کر رہے تھے۔ وہاں ایک مجذوب بھی تھا، وہ کہنے لگا : یا مولانا نظام

الدین ! علم بڑا حجاب ہے خواجه نظام الدین کے دل میں یه بات کھٹکی که علم حجاب تو ہو سکتا ہے لیکن بڑا حجاب کیسے ہو سکتا ہے۔ خواجه اپنے مرشد بابا فرید الدین گنج شکر رحمة الله علیه کی خدمت میں پہنچے اور ان سے مجذوب کی یه بات نقل کی ۔ بابا فرید الدین گنج شکر نے فرمایا : حجاب دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک ظلمانی، اور دوسرا نورانی ۔ گناہ اور برائیاں ظلمانی حجاب ہیں ۔ جو شخص ان سے توبه کرے گا اس کا گناہ معاف کر دیا جائے گا ۔ لیکن علم ایک نورانی حجاب ہے جس کو نه ہر شخص عبور کر سکتا ہے اور نه اس کے کنارے سے اٹھ سکتا ہے۔ جس وقت تک شرعی علوم میں دستگاہ نه ہوگی خدا کی محبت، معرفت، اور قربت حاصل نہیں ہو سکتی »(۱٦) ۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمة الله علیه نے ایک موقعه پر اپنے مریدوں سے فرمایا :

,, جب ایک آدمی تین باتوں سے اجتناب کرتا ہے تو الله تعالیٰ اس سے تین چیزیں اٹھا لیتا ہے۔ اول جو شخص زکوٰۃ نہیں دیتا تو الله اس کے مال میں سے برکت اٹھا لیتا ہے دوسرے جو شخص قربانی نہیں کرتا الله تعالیٰ اس سے سکون و عافیت چھین لیتا ہے تیسرے جو شخص نماز نہیں پڑھتا الله تعالیٰ مرنے کے وقت ایمان کو اس سے جدا کر دیتا ہے » (۱۷)۔

خواجه معین الدین چشتی رحمة الله علیه کے تذکرے کے ضمن میں لفظ سنجری اور سجزی کے بارے میں تحقیق کرتے ہیں ۔ اس کے تلفظ میں بڑے بڑے اہل علم نے ٹھوکر کھائی ہے که یه لفظ س ، ن ، ج ، ر ہے یا : س ، ج ، ز ہے ۔ لکھتے ہیں که :

,, سیر العارفین میں آپ (خواجه معین الدین چشتی سجزی) کے مولد شریف کا نام دار سنجان ہے اور سیر الاقطاب میں اصفہان لکھا، تاریخ فرشته جلد ۲، صفحه ۳۷۵ میں ہے: ,,تولد او در بلده سجستان بود،، ۔ اکبر نامه میں ہے: ,,خواجه از سیستان است و اورا سنجری نوسید که معرب سنگری است،، ۔ (جلد ۲، ص: ۱۵۴) تزک جهاں گیری میں ہے : مولد آں جناب سیستان است ازیں جهت ایشاں را سنجری نویسند که معرب سنگری است،، ۔ (ص : ۴) راقم الحروف کے خیال میں سنجری کتابت کی غلطی ہے جو عوام و خواص میں پھیل گئی ہے ۔ دراصل صحیح لفظ سجزی (س، ج، ز، ی) ہے ۔ عرب جغرافیه نویس سیستان یا سجستان کو سجز (س، ج، ز) بھی کہتے تھے ۔ جس کی نسبت سجزی (س، ج، ز، ی) ہے ۔ اس لئے معین الدین سنجری کے بجائے سجزی صحیح ہے ۔ (۱۸)

صوفیه کے بارے میں یه تصور بھی غلط ہے که وه عملی زندگی سے کناره کش ہوتے تھے ۔ یه تو کہا جا سکتا ہے که وه عہده اور اقتدار سے دور رہتے تھے بلکه اس بات کو بھی پسند نہیں کرتے تھے که بادشاه وقت یا کسی حاکم اعلی سے تعلق رکھیں، بہت سے بادشاه صوفیه کے معتقد اور مداح گزرے ہیں، وه ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اس بات کی کوشش کرتے تھے که ان حضرات کی خدمت کریں ۔ مگر یه اس کو بھی گوارا نہیں کرتے تھے ۔

خواجه نظام الدین اولیاء رحمة الله علیه کی ابتدائی زندگی عسرت اور تنگدستی میں گزری ۔ کسی نے سلطان جلال الدین خلجی کو خبر دی که حضرت خواجه عسرت کی زندگی گزار رہے ہیں ۔ اس نے پیغام بھیجا که : اگر حضرت اجازت دیں تو خدمت گزاروں اور درویشوں کے لئے کچھ گاؤں نذر کئے جائیں ۔ حضرت خواجه نے

مریدوں سے ذکر کیا تو کہنے لگے : اے محبوب الٰہی : ہم کبھی کبھی آپ کے گھر سے روٹی کھا لیتے ھیں ۔ اگر آپ نے سلطان کے یہ گاؤں قبول کر لئے تو اس کے بعد ہم آپ کے یہاں پانی بھی نہیں پیئیں گے»(۱۹) ۔ یہ سن کر خواجہ بہت مسرور ہوئے ۔ صبروقناعت اور سرکار و دربار سے بےنیازی کا یہ حال تو مریدوں کا تھا، بھلا شیخ اور پیر کہاں شاھی مراعات قبول کرتے ۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ صوفیہ ھاتھ پر ھاتھ دھرے بیٹھے رہتے ھیں وہ کسب حلال کے قائل تھے، اور نہ صرف اپنی روزی کسب حلال کے ذریعے حاصل کرتے تھے بلکہ غریبوں ، مسکینوں اور درویشوں کو بھی کھلاتے تھے ۔ ان سے بھی کبھی غافل نہیں ہوتے تھے ۔ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ وسیع کاروبار کے مالک تھے، ان کی مسجد اور خانقاہ میں جتنے مسافر اور درویش رہتے تھے سب کے خورد و نوش کا انتظام ان کی طرف سے ہوتا تھا ۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کو جب اللہ نے فراخی عطا کی تو انہوں نے یہ معمول بنا لیا تھا کہ اس وقت تک کھانا نہیں کھاتے تھے جب تک تمام درویشوں کو کھانا نہیں پہنچ جاتا تھا، روزہ افطار کرنے بیٹھتے تو محلہ کے تمام غریبوں اور حاجت مندوں کو پہلے کھانا بھجواتے اور پھر خود کھانا کھاتے ۔

حضرت اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات سے ایک اقتباس صاحب بزم صوفیہ نے نقل کیا ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرات صوفیہ نے بادشاھان وقت سے کنارہ کشی کی، درویشانہ زندگی گزاری لیکن اپنی روزی کے لئے کسی پر نظر نہیں کی ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت اور طریقہ کے مطابق اپنی محنت اور ھنر سے کمایا، خود اپنا پیٹ بھی اس سے بھرا، اور عزیز و اقارب، ھمسایوں، حتی کہ مریدوں اور

درویشوں کو بھی اس میں سے کھلایا ۔ پیغمبرانہ طریق کے مطابق کچھ بچا کر نہیں رکھتے تھے ۔ خواجہ نظام الدین اولیاء کے تذکرے ھی میں لکھا ہے کہ: جو کچھ ھدایا اور تحائف آتے انہیں بھی شام تک غریبوں، اور درویشوں میں تقسیم کر دیتے، اور جمعہ کے روز لنگر خانے کا خود معائنہ فرماتے کہ اس میں کوئی چیز باقی تو نہیں، جھاڑو دلواتے اور اس کے بعد نماز جمعہ کے لئے تشریف لے جاتے،،(۲۰)۔

حضرت شیخ جہانگیر سمنانی فرماتے ھیں :

,, اکثر مشائخ کوئی نہ کوئی پیشہ کرتے تھے اور دل و جان سے اس کی طرف بڑھتے تھے، اگلے مشائخ اور علماء بھی کسی نہ کسی پیشے میں مشغول رھتے تھے اور ان کو موجب عزت سمجھتے تھے ۔ بدقسمتی سے ھندوستان میں پیشہ اختیار کرنا بری خصلت سمجھا جانے لگا اسی وجہ سے محتاجی اور فقیری میں مبتلا ھوگئے ۔ یہ نہیں جانتے کہ اکثر انبیاء کسی نہ کسی پیشہ کی طرف منسوب ھیں، اس لئے پیشہ کی توھین کرنا ایک قسم کا کفر ہے ،، (۲۱)۔

حضرت اشرف جہاں گیر سمنانی نے ایک سالک کو معاشرتی حیثیت سے بھی اعلی قسم کے اوصاف سے متصف ھونے کی تلقین کی ہے ۔

صاحب بزم صوفیہ نے ایسے بہت سے واقعات اور خود بزرگان دین کے اقوال نقل کئے ھیں جن سے ثابت ھوتا ہے کہ یہ حضرات جہاں ایک طرف عبادت و ریاضت میں مشغول رھتے تھے، اور ذکر الٰھی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا، وھاں کسب معاش سے غافل نہیں ھوتے تھے ۔ توکل اور استغناء کی تمام تر صفات کے باوجود اپنی روزی کے لئے کسی کی طرف نظر نہیں رکھتے تھے ۔ اپنی روزی جائز اور حلال طریقوں سے خود کماتے تھے ۔ اللہ ان کو جو رزق عطا کرتا تھا وہ

سب غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیتے تھے ۔ دراصل ان حضرات کے پیش نظر صرف یہ بات رھتی تھی کہ اللہ کے بندوں کی خدمت کی جائے ۔ نبی علیہ السلام کا یہ فرمان کبھی ان کی نظروں سے اوجھل نہیں ھوتا تھا کہ : جو مسلمان اپنے کسی بھائی کی مدد میں لگا رھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا معین و مددگار ھوگا ۔ (۲۲) ۔

قرآن حکیم نے ,,سیروا فی الارض،، کا حکم دیا، حضرات صوفیہ نے ظاھری اور باطنی علم کی تلاش میں اللہ کے اس حکم پر خوب عمل کیا ۔ برصغیر پاک و ھند کے صوفیہ نے ایران ، ترکستان، سمر قند و بخارا، اور بلاد عرب کی وسیع تر سیاحت کی، برسھا برس ان علاقوں میں قیام کیا ۔ اور وھاں کے اھل ظاھر اور اھل باطن دونوں طبقوں سے استفادہ کیا ۔ حصول علم کے سلسلے میں صاحب بزم صوفیہ نے نقل کیا ہے کہ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے ملتان میں پانچ برس قیام کیا اور وھاں رہ کر سنسکرت سیکھی (۲۳) ۔

صوفیۂ کرام کے ذریعے اسلام کی تبلیغ و اشاعت اس لئے بھی زیادہ ھوئی کہ انھوں نے اپنے درس، اور وعظ و تبلیغ کو عربی زبان تک محدود نہیں رکھا، علاقائی زبانوں کو استعمال کیا اور انھیں وعظ و نصیحت کا ذریعہ بنایا ۔

صاحب بزم صوفیہ نے بعض صوفیہ کا فارسی کلام بھی نقل کیا ہے۔ اس سے جھاں ان کے نفیس اور بلند پایۂ ذوق شعری کا پتہ چلتا ہے وھاں اس بات کی بھی نفی ھوتی ہے کہ ان حضرات کی زندگی صرف چند کشف و کرامات کے گرد گھومتی ہے ۔

شیخ فخر الدین عراقی کے فارسی اشعار، قصائد اور رباعیاں نقل کی ھیں، وہ نہ صرف معانی و مطالب کے اعتبار سے بلکہ زبان و بیان کے نقطہ نظر سے بھی بہت بلند ھیں ۔

ایک غزل کے اشعار ہیں:

بیا اے دیدہ تایکدم بگریم نیم چون خوش دل و خرم بگریم
گہے از درد بے درماں بنالیم گہے از زخم بے مرہم بگریم
نشد جان محرم اسرار جاناں بران محروم نامحرم بگریم
عراقی را کنوں ماتم بداریم بران مسکین دریں ماتم بگریم

عراقی کے مندرجہ ذیل اشعار بہت مشہور ہیں، اور حال و قال کی مجلسوں میں خوب پڑھے جاتے ہیں :

به زمیں چو سجده کردم ز زمیں ندا برآمد
که مرا خراب کردی تو به سجده ریائی
چو براه کعبه به حرم رهم ندادند
که برون در چه کردی که درون خانه آئی (۲۳)

خلاصہ کلام یہ کہ ,,بزم صوفیہ،، بزرگان دین کے عام تذکروں سے بالکل مختلف ہے۔ اس کے مطالعہ سے ہرگز یہ تاثر نہیں ہوتا کہ صوفیۂ کرام نے صرف خانقاہوں میں بیٹھ کر زندگی گزاری ہے۔ یا عمل کی دنیا میں ان کی زندگی ادھوری اور ناتمام تھی۔ اس کتاب کا مطالعہ قاری کو یہ تاثر دیتا ہے کہ صوفیہ کی زندگی صبر، قناعت اور توکل کا مرقع تھی، وہ اس علم اور عمل کے جامع تھے جو ایک مومن صادق کا مقصود حقیقی ہونا چاہیے، انہوں نے اپنی ذات سے زیادہ دوسروں پر توجہ دی، خود مشکل، اور مصیبت میں ہوتے ہوئے دوسروں کی ضرورتیں پوری کیں۔ تبلیغ دین اور خدمت خلق کو اپنی زندگی کا حاصل بنایا۔

فاضل مولف سے بعض تسامحات بھی ہوئے ہیں، ان کا ذکر بھی غیر مناسب نہ ہوگا اور اس یقین کے ساتھ ان کی نشان دہی کر رہا ہوں کہ اتنی ضخیم کتاب میں اس قسم کے دوچار تسامحات ہرگز اس کی اہمیت و افادیت کو کم کرنے کا باعث نہیں بنیں گے۔ مثلاً حضرت پیر سید علی ہجویری رحمة اللہ علیہ کے تذکرے میں خواہ معین الدین چشتی رحمة اللہ علیہ کا وہ شعر جو انہوں نے حضرت کے

مزار مبارک پر چلہ کھینچنے کے بعد واپسی پر لکھا تھا ۔ یوں نقل کیا ہے :

گنج بخش ہر دو عالم مظہرنور خدا　　کاملاں را ہنر کامل، ناقصاں را رہنما

حالانکہ یہ شعر تمام تذکرہ نگاروں نے اِس طرح نقل کیا ہے :

گنج بخشِ فیض عالم مظہرِ نورِ خدا　　ناقصاں را پیرِ کامل، کاملاں را رہنما

اور اسی طرح حضرت کے مزار مبارک پر لکھا ہوا ہے ۔

دوسرے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے :

,,حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی نہ کسی تصنیف کا پتہ چلتا ہے اور نہ ملفوظات کا ذکر تذکروں میں ہے،، (۲۵) ۔

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کی ایک تصنیف ,,الاوراد،، کے نام سے ہے اس بارے میں کافی تحقیق ہو چکی ہے ۔ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم کا مستقل ایک مقالہ اس بارے میں موجود ہے جو ان کے مجموعہ مقالات ,,مقالات علمی و دینی،، میں شامل ہے ۔ ,,الاوراد،، کا قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے ۔ ۱۹۶۵ء میں ڈاکٹر شیخ محمد اکرام مرحوم (مصنف موج کوثر وغیرہ) نے ناچیز راقم سے کہا کہ وہ اس کی نقل و تصحیح کا کام سر انجام دے تاکہ اس کی طباعت ممکن ہو ۔ ناچیز نے اس مخطوطہ کو نقل کیا اور ۱۹۷۸ء میں اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور اور مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان کے تعاون و اشتراک سے یہ مخطوطہ شائع ہوا۔

مرکز تحقیقات فارسی ایران نے اس بات کی تصدیق کی کہ یہ حضرت بہاء الدین زکریا کی تصنیف ,,الاوراد،، کا مخطوطۂ قدیم ہے اور پہلی بار طباعت سے آراستہ ہو رہا ہے ۔

درگاہ بہاء الدین زکریا ملتانی کے سجادہ نشین جناب مخدوم سجاد حسین قریشی نے ,,الاوراد،، کی طباعت پر اس خواہش کا

اظہار کیا کہ ان کے پیرومرشـــد کی یہ تصنیف کیوں کہ عربی اور فارسی میں ہے اگر اس کا اردو ترجمہ ہو جائے تو ہر خاص و عام کے لئے اس سے استفادہ ممکن ہو۔ چنانچہ ۱۹۷۸ء میں ناچیز نے اس کا اردو ترجمہ کیا اور ابتداء میں ایک بسیط مقدمہ لکھا جس مین بطور خاص ,,الاوراد،، کے بارے میں اہل علم و فضل اور محققیـن کی تحقیقات کا حوالہ دیا اور یہ ثابت کیا کہ ,,الاوراد،، حضرت بہاء الدین زکریا رحمة اللہ علیہ کی تالیف ہے۔ اردو ترجمہ بھی بحمداللہ ۱۹۸٦ء میں شائع ہو گیا ہے۔

اس قسم کے تسامحات اکثر اہل علم سے ہو جاتے ہیں کیوں کہ ہم میں سے کسی کا بھی علم تمام معلومات کو محیط نہیں ہے۔

کتاب میں اگرچہ انیس صوفیۂ کرام کا تذکرہ ہے لیکن ضمنی طور پر برصغیر کے تمام صوفیہ کی تاریخ سامنے آ جاتی ہے۔ صوفیۂ نے تبلیغ و اشاعت اسلام کے سلسلے میں برصغیر میں جو کردار ادا کیا ہے وہ بھی بڑے واضح اور نمایاں طریقہ سے سامنے آ جاتا ہے۔

کتاب کا انداز بیان عام فہم ہونے کے ساتھہ دلکش بھی ہے اور یقیناً ,,بزم صوفیہ،، سیرة و سوانح کے ذخیروں میں ہی نہیں اُردو ادب میں بھی ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

حـــوالہ جات و حواشی

۱ ۔ فتوح البلدان ۔ بلاذری۔ ص : ۳۲۵ ۔ طبع قاہرہ ۱۹۳۲ء
۲ ۔ ایضاً ۔ ص : ۳۲۹
۳ ۔ المؤطا ۔ امام مالک بن انس ۔ باب ماجاء فی حسن الخلق ۔
۴ ۔ تاریخ تصوف ۔ یوسف سلیم چشتی ۔ ص : ۱۳۷ ۔ طبع لاہور ۱۹۷٦ء
۵ ۔ کنز العمال ۔ شیخ علی المتقی ۔ کتاب الاخلاق ۔

٦ ۔ بزم صوفیه ۔ صباح الدین عبدالرحمن ۔ ص : ۱، ۲ ۔ طبع اعظم گڑھ ۱۹۴۹ء ۔

۷ ۔ ایضاً ۔ (تمهید) ۔ ص : ۴ ۔

۸ ۔ ایضاً ۔

۹ ۔ اصول اسلام ۔ مولانا محمد ادریس کاندهلوی ۔ ص : ۲۷ ، ۲۸ ۔ طبع لاهور ۱۳۷٦ هـ ۔

۱۰ ۔ بزم صوفیه ۔ ص : ۵ ۔

۱۱ ۔ ایضاً ۔ ص : ۱۴۴ ، ص : ۳۳ ۔

۱۲ ۔ ایضاً ۔ ص : ۷ ۔

۱۳ ۔ ایضاً ۔ ص : ٦ ، ۷

۱۴ ۔ سیر العارفین ۔ حامد بن فضل الله جمالی ۔ ج : ۲ ، ص : ۱۲۹ ۔ (اردو ترجمه : محمد ایوب قادری) ۔ طبع مرکزی اردو بورڈ لاهور ۱۹۸۷ء ۔

۱۵ ۔ بزم صوفیه ۔ ص : ۵۴ ، ۵۵ ۔

۱٦ ۔ ایضاً ۔ ص : ۱۵۰ ۔

۱۷ ۔ ایضاً ۔ ص : ۱۵۱ ۔

۱۸ ۔ ایضاً ۔ ص : ۳۵ (حواشی)

۱۹ ۔ ایضاً ۔ ص : ۱۸۷ ۔

۲۰ ۔ ایضاً ۔ ص : ۲۱۳ ۔

۲۱ ۔ ایضاً ۔ ص : ۴۸۰ ۔

۲۲ ۔ سیرة النبی ۔ سید سلیمان ندوی ۔ ج : ٦، ص : ۲۵ ۔ طبع نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد ۔

۲۳ ۔ بزم صوفیه ۔ ص : ۳۳ ۔

۲۴ ۔ أیضاً ص : ۱۷۰ ۔

۲۵ ۔ ایضاً ۔ ص : ۱۰۴ ۔